R.No. 2106/57 Regd. No. L924

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۲۲-۱۵-۱-۲

فی پرچہ ۲۵ پیسے
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

جلد ۲۳ - شمارہ ۷	ایڈیٹر - آل احمد سرور	۱۵ فروری سنہ ۱۹۶۴ء

اداریہ

غالب پرستوں کو یاد دہانی!

آج غالب کے انتقال کو پچانوے سال ہو گئے۔ ان کی صد سالہ برسی میں صرف پانچ سال باقی ہیں۔ دیکھنا ہے کہ ان پانچ سالوں میں غالب کے قدردان، اردو کے ادبی ادارے اور ہماری یونیورسٹیوں کے اساتذہ غالب کے شایان شان اردو کے سب سے بڑے شاعر کی برسی منانے کے لئے کیا کرتے ہیں۔

اردو میں بڑے شاعر اور بھی ہیں۔ میر کی عشقیہ شاعری بڑی عظمت رکھتی ہے۔ نظیر کی جامعیت کا جواب نہیں، انیس جیسے الفاظ کے جوہری بار بار پیدا نہیں ہوتے، اقبال کے یہاں حکمت اور شاعری کا جو امتزاج ملتا ہے وہ اب مشکل سے نظر آئے گا، مگر کوئی بات تو ہے کہ خواص عوام ہی نہیں، دوسری ہندوستانی زبانوں کے جاننے والے، بلکہ دنیا کے اہل نظر غالب کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ صرف اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ غالب کو حالی جیسا ترجمان اور مفسر ملا، یا ان کے کلام کے اتنے ایڈیشن شایع ہوئے، یا ان پر فلم بنائی گئی، یا ان کے کلام کا اتنی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ یہ باتیں غالب کی عظمت کا سبب نہیں ان کی عظمت کا نتیجہ ہیں۔ میر زخموں کی کائنات لئے ہوئے ہیں اور گو انھوں نے اس سے بڑے بڑے چمن کھلائے ہیں، مگر زخموں سے ہمدردی ہوتی ہے محبت نہیں، نظیر ناہموار ہیں، ان کے یہاں پست و بلند میر سے زیادہ ہی ہیں، انیس باوجود بلند اخلاقی پیام کے محدود اپیل رکھتے ہیں، اقبال کی عظمت میں کلام نہیں، مگر وہ انسانیت کی ایک خاص شاہراہ کے پرستار ہیں۔ غالب، انسانی کائنات کی طرح وسیع اور انسانیت کی طرح رنگا رنگ ہے اس کا تخیل تازہ کار اور لالہ کاری ہے، اس کی شخصیت بڑی دلکش ہے، اس کی شوخی بڑی بلیغ ہے اس کے یہاں ہر مذاق کی تسکین کا سامان اور ہر طبقے کی دلچسپی کا سرمایہ ہے۔ وہ ہر دور کے لئے کسی نئی کشش اور نئی دریافت کی گنجائش رکھتا ہے، وہ پرانا بھی ہے اور نیا بھی، حکیم بھی اور صوفی بھی، مصور بھی، منشی بھی، شاعر بھی اور نقاد بھی، وہ ایک تہذیب کی پختگی کو بھی ظاہر کرتا ہے اور اس کے نئے امکانات کو بھی اس نے ماضی، حال، استقبال سب کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس کی صد سالہ برسی اس طرح منائیں کہ اس شاعر کی عظمت ساری دنیا پر روشن ہو جائے اور اس شاعر کی زبان یعنی اردو کی مقبولیت میں بھی اور اضافہ ہو۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

آخر شاد عارفی ہم سے رخصت ہو گئے۔ یوں تو بہت دن سے انکی صحت خراب تھی اور مالی حالت تو کبھی اچھی نہ تھی، مگر حال ہی میں انکی علالت تشویشناک صورت اختیار کر گئی اور ۱۱ فروری کے اخباروں سے انکے انتقال کی خبر ملی۔

شاد عارفی بڑے البیلے شاعر تھے۔ نہایت غیرت مند، خوددار، بڑے پکے محب وطن، آزادی اور جمہوریت کے دلدادہ، ترقی پسند خیالات رکھنے والے سماج کے فاسد مادے پر نشتر زنی کرنے والے، بول چال کی زبان کے امکانات کو اور واضح کرنے والے، اپنے رنگ کے منفرد اور اپنے طرز کے انوکھے۔ جدید اردو شاعری کو کئی غیر فانی نظمیں بخشنے والے شاعر سے بالآخر ہم محروم ہو گئے۔ شاد عارفی فن پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کی کچھ لغزشوں میں بھی ایک "رمز جنوں" تھا۔ مشاعروں میں بہت کم شریک ہوئے، مگر اردو کے ہر اچھے رسالے اور جدید اردو شاعری کے ہر اچھے انتخاب میں انھیں نظر انداز کرنا ممکن نہ تھا۔ کچھ عرصہ ہوا ان کے کلام کا انتخاب انجمن ترقی اردو (ہند) نے شایع کیا تھا۔ رام پور کے کچھ پرجوش اور مخلص نوجوانوں نے

اس اشاعت میں

غالب پرستوں کو یاد دہانی (اداریہ)	۱	ہندی کی حمایت کا مطلب انگریزی سے نفرت نہیں	۹
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا	"	نقل استعفیٰ ممبران انجمن ترقی اردو گیا	"
سیمینار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تنقید پر سیمینار	۲	جہانِ ساہتیہ کمیٹی اردو سے پیار	۱۰
گیسو سوامی	۳ و ۴	سیمرا اور پنجاب کی خانقاہوں کی مثنوی کا مطالعہ	"
آخر شب (نظم)	۵	جیلی پور میں ایم۔ اے اردو کا اجرا	"
شمع سیہ پوش	"	لسانی اقلیتوں کے اسسٹنٹ کمشنر کی آمد بہار	"
اردو ایسوسی ایشن شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی میں پنڈت آنند نرائن ملا کی تقریر	"	ٹاؤن ہال بنارس میں	"
دشوار گوشی کی تیسری جلد تیار	"	بہادر شاہ ظفر کی تصویر	۱۱
اردو کے کچھ قدیم اخبار و رسائل	۶ و ۷	بزم ادب کو ٹہ کا سالانہ انتخابی جلسہ	"
بقیہ: گیسو سوامی	۸	بقیہ: علی گڑھ یونیورسٹی میں تنقید پر سیمینار	۱۲
پنجاب میں سرکاری کارروائیاں ہندی پنجابی میں	۹	گیا میں یوم اردو کی تیاریاں	"
زبان کے مسئلے کو سوچ بچار سے حل کیا جائے؟ کا مشورہ	"		

انکے سارے کلام کی اشاعت کا پروگرام بنایا تھا۔ شاعر تو یہ حسرت لیے ہوئے رخصت ہو گیا، مگر اُس کی شاعری کی معنویت اور تاثیر باقی رہیگی دیکھنا ہے شاد کا مجموعۂ کلام کب منظرِ عام پر آتا ہے۔

سیر بین

پہلے کہا جاتا تھا کہ بگڑا شاعر مرثیہ گو اور بگڑا مرثیہ گو مرثیہ خواں۔ آج کہا جاتا ہے بگڑا شاعر نقاد اور بگڑا نقاد علامہ۔ لیکن اس سلسلے میں ایک نئی دریافت ہوئی ہے۔ سابق وزیر لیڈر اور بگڑا لیڈر شاعر بھی ہو سکتا ہے۔

چنانچہ جب پنڈت جواہر لال نہرو کانگریس پارٹی کے اجلاس میں علالت کے بعد پہلی دفعہ شریک ہوئے تو ان کا دل بہلانے کے لئے شری مہاویر تیاگی نے کچھ شعر سنانے کی اجازت چاہی، اور اجازت ملنے پر حسبِ ذیل شعر سنائے۔

مجھ کو آتا دیکھ کر چہرے پہ بل پڑے — چھاتی مری جلتی ہوئی چھالے اُبل پڑے
بس یونہی جا رہے تھے کچھ سوچتے ہوئے — پھاٹک پہ میکڈ کے سہوا مچل پڑے
اُن کا خیال آتے ہی پلکیں جھپک گئیں — آنکھوں سے آنکھ لڑ گئی آنسو نکل پڑے

دل اُن کا کہیں اور تھا آنکھیں کہیں اور
چہرے کے تبسم پہ ہم ناحق پھسل پڑے

کیا اس کے بعد بھی کسی کو شک ہو سکتا ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح شاعری میں بھی خلوص ناکافی ہے۔

ایک زمانے میں اگر کوئی آمین زور سے کہتا تھا تو وہ کافر قرار دے دیا جاتا تھا۔ اگر کوئی نذر نیاز کا قایل نہ ہوا تو اُسے وہابی کہتے تھے اور وہابی کافر سے بدتر سمجھا جاتا تھا۔ اب یہ کٹھ ملائیت ادب میں بھی سرایت کر گئی ہے۔ اگر کوئی شوخ زبان جوش میں آ کر یہ کہہ دے کہ اردو کے نقادوں نے نثر کے ساتھ انصاف نہیں کیا تو لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔ اگر کوئی غزل کی حمایت کرے تو وہ دقیانوسی سمجھا جاتا ہے، نظم کی تائید کرے تو اس پر مغرب زدہ ہونے کا الزام لگ جاتا ہے۔ اگر رومن یا دیوناگری رسمِ خط کی حمایت کرے تو اردو دشمن۔ اگر ٹائپ کا موید ہو تو اردو زبان کا بدخواہ مشاعروں کی خرابی یا خواری کا تذکرہ چھیڑے تو مفسد، عالمی معیاروں کا نام لے تو تجدد نواز۔

اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے؟

بہتر یہ ہے کہ اردو کے مستقبل کی تاریکی کا رونا روتا رہے اور اکبر و اقبال کے کارناموں کو یاد کرتا رہے، ہاں جو کچھ آج کل لکھا جا رہا ہے اس پر کبھی کہنا بحث ہی نہیں سمجھتا ہے۔ جلد ہی اُسے اردو زبان کے محسنوں اور عظیم ادیبوں میں شمار کرایا جائے گا۔ اُس کی عظمت کے قصیدے پڑھے جائیں گے اور اسکے بیانات رسالے اور کتاب کی زینت ہونے لگیں گے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تنقید پر سمینار

شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے ۸۔۔ ۹ فروری ۱۹۶۴ء کو "تنقید پر سمینار" منعقد ہوا جس کا افتتاح پروفیسر ہمایوں کبیر وزیر حکومت ہند نے فرمایا۔

اس سمینار کی کارروائی چار نشستوں میں ہوئی جس میں اٹھارہ پرچے پڑھے گئے۔

سمینار کی پہلی نشست کی صدارت یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب بدرالدین طیب جی نے کی۔ انھوں نے اپنی استقبالیہ تقریر میں اس ادبی اجتماع میں پروفیسر ہمایوں کبیر کا خیر مقدم کیا اور فرمایا کہ آج جب ہم یہاں تنقید کے مسائل پر غور کرنے کے لئے بیٹھے ہیں تو ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ کیا تنقید میں ایسے کچھ عالمی اصول بھی ہیں جن کی بنیاد پر ہم اپنے ملک کی زبانوں کے ادب کو پرکھ سکتے ہیں، اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا، بہتر ہے کہ ہم اپنے ادبیات کا مطالعہ کریں اور اپنے تہذیبی معیاروں کو سامنے رکھتے ہوئے خود اپنے اصول نقد وضع کریں۔

پروفیسر ہمایوں کبیر نے اپنی افتتاحیہ تقریر میں سمینار کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں نہ صرف اپنے ملک کے ادب کو پڑھنا چاہیئے بلکہ دنیا کے ادبیات کا مطالعہ بھی کرنا چاہیئے۔ جہاں تک اصول نقد کا تعلق ہے یہ سچ ہے کہ ہمیں اپنے ادب کی بنیاد اپنے ملک کی تہذیبی روایات پر رکھنا چاہیئے لیکن اس کے پرکھنے کے معیار محض قومی نہیں ہوں گے۔ اس لئے کہ ادب کے کچھ عالمی معیار بھی ہوتے ہیں اور ان کا سمجھنا بے حد ضروری ہے۔

پروفیسر ہمایوں کبیر نے اپنی فکر انگیز تقریر میں فرمایا کہ ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ نشاۃ ثانیہ کیوں یورپ میں ظہور پذیر ہوا اور سائنس اور ٹکنالوجی نے کیوں وہاں تیزی سے قدم بڑھائے۔ انھوں نے کہا کہ آزادی کے بعد احیا پرستی کی تحریک ہمارے یہاں خاصی زور پکڑ گئی ہے اس لئے عالمی معیاروں کا احساس اور عرفان ضروری ہے اور تنقید ادب میں معیاروں کا لحاظ کر کے زندگی کی ایک اہم خدمت انجام دے سکتی ہے۔

پروفیسر ہمایوں کبیر کی تقریر کے بعد پروفیسر آل احمد سرور نے "اردو تنقید کے بنیادی افکار" پر اپنا مقالہ پڑھا، جس میں انھوں نے تنقید کے منصب کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ "آج تنقید کا کام تخلیق کو اور باشعور اور تحسین کو اور باذوق بنانا ہے، تنقید تہذیب کی تاریخ کا ایک جزء ہے۔" انھوں نے یہ بھی واضح کیا کہ سرسید کی تحریک نے ایک افادی اور اصلاحی نقطۂ نظر کو عام کیا۔ (باقی صفحہ ۱۲ پر)

ڈاکٹر سیدہ جعفر

کیشو سوامی

(سنہ ۱۶۲۱ء تا سنہ ۱۶۸۲ء)

کیشو سوامی، رام داس کی "سمرتھ پنچائتن" (پانچ چیلے) میں سے ایک تھے[1] مرہٹی زبان میں ان کی شاعری اور ان کے ادبی کارنامے محتاج تعارف نہیں لیکن اُردو داں طبقے کے لئے کیشو سوامی کے دکنی اشعار اور بھجن نئی چیز ہیں۔ جنوبی ہند کے ہندو اور مسلمان صدیوں سے کیشو سوامی کی روحانی توتوں اور اخلاقی و سماجی تصورات سے متاثر ہیں۔ دکنی عوام کے دلوں میں ان کا کتنا احترام ہے، ان کی زبانوں پر کیشو سوامی کے کتنے قصے ہیں، اُن کی روز مرہ زندگی میں کتنی روایتوں کا لہو موجزن ہے، اُن کے لوک گیتوں میں بھگتی رس کا عطر کن کن سوتوں سے کھنچ آیا ہے۔ انھیں انسان سے محبت کرنے کا سلیقہ کس کس نے سکھایا ہے، پرائے غم میں آنکھوں سے موتی برسانا کس کس کی تعلیمات کا نچوڑ ہے اور یہ تعلیمات آج بھی دلوں کو کس طرح گرما رہی ہیں اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔

کیشو سوامی کا پورا نام کیشو سوامی بھاگیہ نگرکر تھا[2]۔ انکے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھاگیہ نگر یعنی حیدرآباد کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد آتمارام پنت کلیان کے پٹواری تھے۔ کیشو سوامی کی والدہ کا نام گنگا بائی تھا جو اپنے زمانے کی بڑی برگزیدہ اور پارسا خاتون سمجھی جاتی تھیں۔ کیشو سوامی کی ولادت، ان کی زندگی، شاعری اور وفات سبھی باتوں پر روحانیت کی پرچھائیں نظر آتی ہیں۔ گنگا بائی کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے اسّی برس کی عمر میں کیشو سوامی کو جنم دیا تھا۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہر سال پنڈھرپور یاترا کو جایا کرتی تھیں گنگا بائی کیشو سوامی کی ولادت کو اسی یاترا کی برکت سمجھتی تھیں۔ ان کی تاریخ ولادت غالباً سنہ ۱۶۲۱ء ہے۔ کیشو سوامی بچپن میں گونگے تھے۔ آتمارام اور ان کی رفیقۂ حیات ان کے لئے بہت پریشان رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ شری ست اچاریہ کلیان آئے کیشو سوامی کے والدین بھی ان کے درشن کے لئے اپنے بچے کے ساتھ اُس جنگل میں پہنچے جہاں شری ست اچاریہ کا قیام تھا۔ انھوں نے کیشو سوامی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے کان میں کچھ کہا جس کے جواب میں کیشو سوامی نے پہلی بار اپنی زبان سے "بھگوان" کا لفظ ادا کیا اور ان کے ماں باپ گونگے پن کے دفع ہو جانے پر بہت خوش ہوئے[3]۔ کیشو سوامی بڑے خوش گلو تھے۔ اپنے موزوں کئے ہوئے اشعار اور بھجن بڑی پُر درد آواز میں گایا کرتے تھے۔ کیشو سوامی کی آواز میں اتنی دلکشی تھی کہ دور دور سے ان کے بھجن سُننے صبح کے وقت لوگ کثیر تعداد میں جمع ہو جاتے اور جب وہ اپنی دُھن میں مست ہو کر گانے لگتے تو مجمع پر سکوت طاری ہو جاتا تھا۔

کیشو سوامی نے کلیان کے سری دھر پنت بنس کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ وہ بھی بڑی دیندار خاتون تھیں۔ دونوں ملکر پوجا پاٹ میں زندگی بسر کرتے تھے۔ نرہر سدا شیو جوشی اپنی کتاب "کیشو سوامی" میں لکھتے ہیں کہ عنفوان شباب ہی سے ان سے معجزات ظاہر ہونے لگے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب کیشو سوامی جلوان کی مورتی کے سامنے بھجن گاتے تو مورتی کے گلے کا ہار اُن کے گلے میں گر جاتا۔ اسی طرح کیرتن کے بعد کیشو سوامی مٹھائی کے بجائے بچھ ناگ بانٹتے تھے لیکن پرشاد لینے والوں پر اس کا کوئی بُرا اثر نہیں ہوتا تھا۔ یہ اور ایسے بہت سے واقعات نرہر سدا شیو جوشی نے اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں۔ لکشمن رام چندر پانگارکر نے کیشو سوامی کی تاریخ وفات سنہ ۱۶۸۲ء بتائی ہے۔ کیشو سوامی کی سمادھی حیدرآباد کے محلے جیا گوڑہ سے کچھ دور ایک جنگل میں واقع ہے۔ موسیٰ ندی کے کنارے، ایک مسلمان زمیندار کے باغ میں ان کی وہ ابدی خوابگاہ بنی ہوئی ہے۔ یہ مقام بہت سنسان اور غیر آباد تھا۔ آس پاس صرف چند انگریزا اور چمڑے کا کام کرنے والے رہا کرتے تھے۔

نرہر سدا شیو جوشی نے اس جگہ کو اپنی نگرانی میں صاف کروایا اور سمادھی پر ایک کمان بھی لگوا دی۔

کیشو سوامی ابوالحسن تانا شاہ کے عہد میں ایک با عزت عہدے دار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی روحانیت کے سبب حیدرآباد اور جنوبی ہند کے تمام علاقوں میں شہرت حاصل کر لی تھی۔ ان کی سب سے بڑی اہمیت یہ تھی کہ وہ رام داس جیسے مشہور فلسفی اور شاعر کے پانچ مشہور چیلوں میں سے ایک تھے۔ کیشو سوامی اور رام داس میں جو خلوص اور تعلق خاطر تھا اس کا ذکر ڈاکٹر ایس ڈیننگ نے اپنی کتاب "رام داس اینڈ رام داسیز" میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کیشو سوامی ہی نے رام داس کی راکھ کو گنگا میں بہانے کی رسم انجام دی تھی۔ ہنمنت سوامی لکھتے ہیں کہ کیشو سوامی نے اپنی غیر معمولی قابلیت اور روحانیت کے سبب سیکڑوں عقیدتمند اور شاگرد پیدا کر لئے تھے جو حیدرآباد اور اس کے اطراف و اکناف میں پھیلے ہوئے تھے۔ کیشو سوامی کے دو شاگردوں شیو رام اور سنت راج نے مرہٹی ادب میں اپنے یادگار کارنامے چھوڑے ہیں[4]۔

---

[1] مدھیہ یوگین چرتر کوش از سدھیشور شاستری چتراؤ۔ صفحہ ۲۱۶

[2] مرہٹی گیان کوش۔ جلد دوم۔ صفحہ ۶۹۱

[3] کیشو سوامی از نرہر سدا شیو جوشی۔ صفحہ ۱۹۸

[4] رام داس چی چرتر از ہنمنت سوامی۔ صفحہ ۳۲۳

سمرتھ رام داس اور کیشو سوامی کی خط و کتابت بھی مرہٹی ادب کا ایک اہم موضوع ہے۔ کیشو سوامی کے بعض خطوط مسٹر دیو کے پاس محفوظ ہیں۔ کیشو سوامی کا وطن حیدرآباد چونکہ رام داس کے مقام رہائش سے کوسوں دور تھا' اس لئے خط و کتابت کا سلسلہ عرصے تک جاری رہا۔ ڈیمنگ لکھتے ہیں کہ کیشو سوامی نے اپنے ایک خط میں رام داس کو حیدرآباد آنے کی دعوت دی تھی اور ان ہی کی درخواست پر انھوں نے حیدرآباد آکر قیام کیا تھا کیشو سوامی اور رام داس کے اکثر خطوط ڈوم گاؤں مٹھ میں محفوظ ہیں۔[1]

رام داس کے چیلوں میں ایک اور چیلے کا نام بھی کیشو تھا جو کوڑلی کے مٹھ کے مہنت تھے اور بعد میں امبراج چلے گئے تھے رام داس کی شاہکار " داس بودھ " کے جو سات قلمی نسخے موجود ہیں اُن میں سے ایک ان ہی کا تحریر کیا ہوا ہے' جس کا سن کتابت ۱۶۹۰ء ہے۔

کیشو سوامی کا ادبی شاہکار ان کی کتاب " اکادشی چرتر " سمجھی جاتی ہے۔ ان کی شاعری اپنے زمانے ہی میں کافی مقبول ہو چکی تھی۔ ان کے بھجنوں کا مجموعہ " ابھنگ " بھی مراہٹی ادب میں ایک خاص حیثیت کا مالک ہے۔ " ابھنگ " بڑے حسین بھجنوں کا مجموعہ ہے۔ یہ پانچ چھ سو بھجنوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ کیشو سوامی نے دکنی میں بھی بہت سے اشعار کہے ہیں اور ان کے بھجن بھی موجود ہیں۔ " رائز آف مرہٹہ پاور " کے مصنف راناڈے لکھتے ہیں کہ کیشو سوامی ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے اور وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی خیالات میں ہم آہنگی پیدا کرنا اور مساوات و اخوت کی جڑیں مضبوط کرنا چاہتے تھے۔

کیشو سوامی کا دکنی میں شعر کہنا کوئی تعجب کی بات نہیں وہ حیدرآباد کے رہنے والے تھے اور گولکنڈے کے دربار سے بحیثیت ایک عہدے دار کے وابستہ تھے۔ یہاں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا اور شاعروں کی قدر دانی اور سرپرستی کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ابوالحسن تاناشاہ کے عہد میں بھی دکنی شاعری کا بول بالا تھا۔ کیشو سوامی ایک ایسے سماج کے فرد تھے جہاں دکنی بولنا' تھا اور اس میں شعر کہنا فخر کی بات بھی جاتی تھی۔ دکن کے علاقے میں دکنی کے علاوہ تلنگی، مرہٹی اور کنڑی بولنے والے بھی بستے تھے۔ ایک زبان بولنے والا دوسری زبان میں بھی طبع آزمائی کرتا۔ خود محمد قلی قطب شاہ نے دکنی کے علاوہ تلنگی میں بھی شعر کہے تھے۔ اسی طرح مرہٹی اور تلنگی بولنے والے بھی دکنی سے دل چسپی لیتے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر کیشو سوامی کا دکن میں طبع آزمائی کرنا کوئی غیر فطری چیز نہیں معلوم ہوتی۔ راناڈے کے[2] اس قول کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ " وہ ہندو مسلم خیالات میں ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتے تھے " تو یہ خیال ہوتا ہے' ممکن ہے دکنی میں شعر گوئی بھی اسی کی ایک کوشش ہو۔

کیشو داس کے دکنی اشعار بہت سادہ، پُر اثر، رواں اور بے ساختہ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ کیشو سوامی کے اشعار میں وہی لسانی خد و خال نظر آتے ہیں جو ابوالحسن تاناشاہ کے عہد کی خصوصیت ہیں۔ کیشو سوامی نے مراہٹی میں اپنی شاعری کی ابتدا شرنگار رس سے کی تھی۔ بعد کو بھگتی رس میں وہ اتنے ڈوب گئے کہ ان کی تمام شاعری میں اخلاقی اور روحانی عنصر جھلکنے لگا۔ کیشو سوامی کے دکنی اشعار بھی زیادہ تر اسی قسم کے ہیں جن پر مادرائیت اور عینیت کا اثر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ ان میں وہی موضوعات پیش کئے گئے ہیں جو عام طور پر دکن کے دوسرے صوفی شعراء کے پاس ملتے ہیں۔ ترکِ دنیا کی تعلیم' حرص، خفتِ طبع اور بے ایمانی سے دور رہنے کی تلقین' دنیا کی نمود و نمائش اور اس کی ظاہری چمک دمک کے دھوکے میں نہ آنے کی ہدایت اور عشق حقیقی میں غرق ہو کر دنیا کی مصیبتوں سے نجات پانے کا اپدیش ملتا ہے۔ رام داس نے جس طرح " داس بودھ " اور " شری مناچے شلوک " میں " ست گرو " سے وابستگی پر زور دیا ہے یا جس طرح اکثر صوفی شعراء " مرشد کامل " اور " رہبر صادق " کی رہنمائی کو منزل حق تک پہنچنے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں' اسی طرح کیشو سوامی نے بھی " سنت کی صحبت " اور گرو سے توسل پیدا کرنے پر زور دیا ہے وہ کہتے ہیں :-

توں گرو کا عمل کھائے بھائی اس عمل کوں بہوت مٹھائی
گرو کرپا میں کیشو لذت پایا توں اپنی سدھ آپ گنوائی
ست گرو ناتھ کا عمل سچ اس عمل میں صاحب دست
گرو کرپا میں کیشو عملدار عمل دکھائے اپنا دیدار
تم لیجیو بھائی ایک ہی بار اس عمل کوں چڑھتا ادتار

لیکن کیشو سوامی نے اُن ظاہر پرست پنڈتوں اور برہمنوں پر چوٹ کی ہے جن کے دل میں حقیقت کو جاننے کا شوق اور سچی لگن نہیں ہے اور جو محض دنیاداری اور ذاتی منفعت کی خاطر اپنے آپ کو بڑا پارسا اور دیندار ظاہر کرتے ہیں۔

تم سنیو پنڈت میری بات تم آتما کی مت جھکاؤں زبات
رگن ریجا ہم پڑھتے ہیں شاستر توں پھر کیسے غفلت کھاوے

(باقی صفحہ ۸ پر)

---

[1] رام داس اینڈ رام داسیز از دابلیس ڈیمنگ۔ صفحہ ۱۴۹

[2] رائز آف مرہٹہ پاور از راناڈے۔ صفحہ ۱۴۷

عنوان چشتی

"آخرِ شب"

چاند کا یوں اُتر گیا چہرہ
جیسے اک شوخ و شنگ لڑکی سے
سونے چاندی کے ساز پر گاکر
کوئی بوڑھا
ہوس کے پنجوں سے
روپ کی دھوپ چھین لیتا ہے

ہے فضاؤں کی سانس بھی بوجھل
جیسے مستی کے بعد رندوں پر
لمحہ لمحہ گراں گزرتا ہے
اُف وہ عالم
خمار کا عالم
جسم کا انگ انگ ٹوٹتا ہے

خواب زاروں سے نیند کی پریاں
ان کے جلووں کی مستیاں لے کر
اب تو آنکھوں میں آکے بس جائیں
چشم بر راہ
گوش بر آواز
کب سے میں انتظار کرتا ہوں
سسکیاں لے رہی ہے تنہائی!!!

محسن زیدی

شمعِ سیہ پوش

(حضرت شوق بہرائچی کی موت سے متاثر ہوکر)

آج پھر بزمِ سخن غم سے ہے بوجھل بوجھل
قہقہوں کی ہے نہ بارش، نہ تبسم کی پھوار
آج ہر آنکھ ہے شبنم شبنم
ایک سناٹے کا عالم ہے حدِ امکاں تک
اک اندھیرا ہی اندھیرا ہے جہاں تک دیکھو

آج پھر موت کے پُر ہول اندھیروں میں کہیں
ایک خورشید جہاں تابِ سخن ڈوب گیا
وہ جو شعلہ سا چمکتا تھا سیہ پوش ہوا
اِک تبسم جو سرِ بزم بپا تھا غم کوش ہوا
بجھ گئی شمع تو ہر سمت دھواں ہے یارو!

اُردو ایسوسی ایشن شعبۂ اُردو الٰہ آباد یونیورسٹی میں

پنڈت آنند نرائن مُلّا کی تقریر

۲۲ر جنوری سنہ ۱۹۶۳ء کی سہ پہر کو اُردو ایسوسی ایشن شعبۂ اُردو الٰہ آباد یونیورسٹی کی دعوت پر اُردو کے باشعور اور صاحب طرز شاعر پنڈت آنند نرائن مُلّا نے یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کو ہندی بھون میں خطاب کیا۔ موصوف نے اپنے تیسرے مجموعۂ کلام "میری حدیث عمر گریزاں" کے مقدمے کا ایک حصّہ پڑھ کر سُنایا جس میں شاعر کی شخصیت، فن و شعور اور خلوص کے باہمی ربط سے اس طرح بحث کی گئی تھی کہ فنی اور انسانی اقدار دونوں کا باہمی تعلق بڑی خوبصورتی سے واضح ہوگیا۔ حاضرین کے اصرار پر مُلّا صاحب نے چند غزلیں اور نظمیں پیش کیں۔

معزز مہمان کا خیر مقدم کرتے ہوئے پروفیسر سید احتشام حسین صدر شعبہ نے مُلّا صاحب کی شخصیت اور شاعری کے مختلف پہلوؤں پر کافی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی اور اس بات پر زور دیا کہ وہی فن زندہ رہ سکتا ہے جس کی تعمیر میں انسان کی محبت اور عظمت کے تصورات کسی نہ کسی طرح سمو دئیے گئے ہوں اور مُلّا صاحب کا کلام اس نظریئے کا ترجمان ہے۔ جلسے کا آغاز مُلّا صاحب کی ایک غزل سے ہوا جسے محمود احمد نے ترنم سے پڑھ کر سُنایا۔ جلسے سے قبل سید ظہیر الدین علوی مرحوم اور شوق بہرائچی مرحوم کے انتقال پر تعزیت کی تجویزیں پیش کی گئیں۔ جلسے کے خاتمے پر سکریٹری سید مظہر الحق نے مُلّا صاحب اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

وشواکوش کی تیسری جلد تیار

(بحوالہ نیشنل ہیرلڈ) ناگری پرچارنی سبھا کے جنرل سکریٹری مسٹر شیو پرشاد مصرا نے سبھا کی مجلس عاملہ اور اخباری نامہ نگاروں کے سامنے اعلان کیا کہ ہندی وشواکوش (انسائیکلوپیڈیا) کی تیسری جلد (جو کاشی ناگری پرچارنی سبھا نے مرکزی حکومت کے لئے مرتب کی ہے) چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔

وشواکوش کی چوتھی جلد زیرِ طبع ہے جو عنقریب شائع ہو جائے گی۔

۸۰۰ صفحے کی اس جلد میں سائنس، ہیومینٹی اور ادب پر دو سو ادیبوں اور عالموں کے ۲۸۸ مضامین شامل ہیں۔

وشواکوش کے ایڈیٹر ڈاکٹر رام پرشاد ترپاٹھی نے بتایا کہ سبھا کی مرتب کردہ وشواکوش ہندو انسائیکلوپیڈیا نہیں ہے بلکہ ہندی انسائیکلوپیڈیا ہے، اور اس میں مسلم و عیسائی جیسے مذہبوں کی مختلف تہذیب و ثقافت پر مواد فراہم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

سلطان اشرف گذشتہ سے پیوستہ

اُردو کے کچھ قدیم اخبار و رسائل

جنوری سنہ ۱۹۰ء کے اصلاح سخن کا مصرع طرح

ع: یہاں کے جتنے باشندے ہیں سب ہندوستانی ہیں

اس طرح میں مندرجہ ذیل شاعروں کے کچھ شعر مل سکے۔

اظہر ہاپوڑی۔

برابر دیکھتے ہیں۔ حسن رنگیں خارہیں گل ہیں
ہمیں الفاظ سے کیا ہم تو جویائے معانی ہیں

حفیظ جون پوری۔

دیار حسن میں جو کچھ نہ ہو اندھیر تھوڑا ہے
ادائیں زلف و کاکل کی بلائے ناگہانی ہیں
عبث نادان کتبے کندہ کرتے ہیں مزاروں پر
یہ نقش لوح و گنبد سب نشان بے نشانی ہیں

ظہیر دہلوی۔

عدم کے رہنے والے بھی مکین لامکانی ہیں
نہ رسم خط کتابت ہے نہ پیغام زبانی ہیں

مارچ سنہ ۱۹۰ء کا شمارہ لائبریری کے فائل کا آخری شمارہ ہے
اس ماہ کے اصلاح سخن کا مصرع طرح۔ ع
توکل پر نہیں تکیہ تو اطمینان پیدا کر
زمین حالانکہ بہت غضب قسم کی تھی، لیکن بعض شاعروں نے کافی اچھے شعر نکال لئے تھے۔

احسن مارہروی۔

یہ کے دن کے لئے آئے ہیں بلبل باغ عالم میں
گلوں سے دوستی گہری نہ اے نادان پیدا کر
ہمارا انتخاب اچھا نہیں اے دل تو پھر تو ہی
خیال یار سے بہتر کوئی مہمان پیدا کر

اظہر ہاپوڑی۔

گیا بچپن۔ جوانی لد گئی۔ پیری ہے آنے کو
بہت سا کھو چکا ہے اب تو کچھ نادان پیدا کر
لباس خضر میں یاں سیکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں
اگر رہنا ہے دنیا میں تو کچھ پہچان پیدا کر

حفیظ جون پوری

خزف ریزے بھی دیتے ہیں کبھی الماس کا دھوکا
جواہر کی اگر ہے جستجو پہچان پیدا کر
یہ چند آنسو لگا دیں ساحل مقصود پر تو بہ
جو لے ڈوبے تجھے اے چشم وہ طوفان پیدا کر
حفیظ اس طرز کی شاعری اچھی تو ہے لیکن ۔ غزل میں میری کا رنگ تا امکان پیدا کر

جلیل مانک پوری۔

بھڑکتی آگ میں لے دل پتنگا کود پڑتا ہے
تجھے بھی عشق کرنا ہے تو اتنی جان پیدا کر
تری صورت کا نظارہ بہت دشوار ستا ہوں
خدا کے واسطے صورت کوئی آسان پیدا کر

سائل دہلوی۔

ادا کبھی آن پیدا کر نرالی شان پیدا کر
دل پُر آرزو میں اور کچھ ارمان پیدا کر

ظہیر دہلوی۔

کسی دیوانہ سے ناصح کوئی دانا الجھتا ہے
ذرا اتنی سمجھ پہلے تو او نادان پیدا کر
نگاہ حق نگر سے دیکھ زاہد ان حسینوں کو
بتوں کی شکل و صورت سے خدا کی شان پیدا کر

فائق دہلوی۔

غبار معصیت دھونا نہیں امکان سے باہر
ندامت کا سرشک چشم سے طوفان پیدا کر

محمد عمر گل۔

بتان دہر سے حوروں کو کیا نسبت بھلے زاہد
خدا کو مان کچھ انصاف کچھ ایمان پیدا کر

نوح ناروی۔

وہ کوئی آدمی ہے آدمیت بھی نہ ہو جس میں
اگر انسان ہے انسان کی سی شان پیدا کر

وجاہت جھنجھانوی۔

عدو سے ربط و ضبط اتنا نہ لے نادان پیدا کر
خدارا دوست اور دشمن کی بھی پہچان پیدا کر

اصلاح سخن کے ان سات شماروں کے مصرعہ طرح پر جو غزلیں شائع ہوئی تھیں ان کے منتخب اشعار کے بعد اب کچھ ایسے شعر بھی سُن لیجئے جو ان طرحی غزلوں کے علاوہ ہیں اور جو نظم و غزل دونوں پر مشتمل ہیں۔

اگست سنہ ۱۹۰ء کے شمارے میں نواب محمد عمر خاں وفا کے چند شعر بعنوان "دنیا مثل حباب ہے" اور ہدایت اللہ شیدا امرت سری کی غزل اور تذکرہ گلشن ہند کے حوالے سے میر حسن کے کچھ اشعار شائع کئے ہیں۔

محمد عمر خاں وفا حیدر آبادی۔

چلن ہے گر نیک، نیک پھل ہے جو فعل بد ہے تو بد نتیجہ
کریں گے جیسا بھریں گے ویسا صفائی کیسی حساب کیا ہے
طریق بد پر قدم نہ رکھیے خدا سے ہر وقت ڈرتے رہیے
کوئی مصیبت ہو جبکہ نازل سمجھئے صورت عذاب کی ہے

ہدایت اللہ شید امرت سری۔

میں ماجزا آگیا جب سے دل خانہ خراب آیا
بتوں پر مبتلا ہوتے ہی اک رنج و عذاب آیا

نومبر سنہ ۱۹ء کے شمارے میں حفیظ جونپوری مرحوم کی ایک نظم "دوائے ہم" شامل ہے جو مولانا شبلی کے سفر مصر سے متعلق ہے اور اکثر حضرات کی نظر سے گزری ہوگی۔ چند شعر یہ ہیں۔ ؎

مولوی شبلی سے اک سیاح نے مصر میں پوچھا از راہِ آگہی
عام اہل ہند کا ہے کیا خیال خاص لوگوں کی ہے کیا دلبستگی
مشغلے کیا کیا ہیں صبح و شام کے سیرگاہوں میں ہے کیسی تازگی

فروری سنہ ۱۹ء کے شمارے میں حفیظ جونپوری کی ایک نظم "مناظرہ جہل و علم" کے عنوان سے شامل ہے۔

سوال و جواب کے انداز۔ ؎

جہل نے علم سے پوچھا مخاطب ہوکر کون سے امر میں تجھکو ہے فضیلت مجھ پر

اس تمہید کے بعد کچھ اشعار میں جہل نے اپنی بڑائی ظاہر کی ہے اس کے بعد علم نے جواب اس طرح دیا ہے۔ ؎

سن کے اس دعوی باطل کو کھلے علم کے کان لب اعجاز سے گویا ہوا وہ نیک سیر
کوردل چشم بصیرت سے بھی معذور ہے تو خاک بھی تجھکو نہیں اپنی حقیقت کی خبر

حفیظ صاحب کی نظم جو ۴۳ اشعار پر پھیلی ہوئی ہے اسکے بعد "ملال راسخ" کے عنوان سے منشی چندی پرشاد ہنداد دہلوی کا ایک طویل منظوم خراج عقیدت شامل ہے جو عبدالرحمٰن صاحب راسخ دہلوی کے انتقال پر لکھا گیا ہے۔

نظم کے حصہ کے علاوہ اصلاح سخن کا دوسرا مفید پہلو نثر کا حصہ ہے جس میں مختلف انداز کے معلوماتی، فلمی اور سیاسی مضامین شامل ہوتے تھے۔ ساتھ ہی ہر ماہ کچھ نہ کچھ رسائل اور کتب پر عالمانہ انداز میں تنقید و تبصرہ بھی کیا جاتا تھا۔ مضامین کی تفصیل اس طرح ہے۔

جون کے شمارے میں جو اصلاح سخن کا ابتدائی شمارہ ہے، صفحہ ۲۳ پر ایک مضمون درج ہے۔ "زبان اردو میں کیا کمی ہے اور وہ کیونکر پوری ہوسکتی ہے" جو نجم الدین سیوہاروی کا لکھا ہوا ہے اور ساتھ ہی ایڈیٹر اصلاح سخن کا اختلافی نوٹ بھی شامل ہے جس میں ایڈیٹر نے نجم الدین صاحب کے اعتراضات کا جواب دیا ہے جو کسی غلط فہمی کی بنا پر صاحب مضمون سے سرزد ہوگئے تھے۔ مضمون میں کچھ ایسے لفظ پیش کئے گئے تھے جو اردو زبان میں شامل ہونا ضروری تھے اور جن کو غریب سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

اگست کے شمارے میں "موازنۂ انیس و دبیر" مولانا شبلی کی کتاب پر تفصیلی مطالعہ شایع کیا ہے جس میں مثالیں دے کر مولانا شبلی کے خیال کی تائید کی ہے مضمون رسالے کے ۱۷ صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ مضمون ایڈیٹر اصلاح سخن وجاہت جھنجھانوی کے قلم سے نکلا ہوا ہے۔ اس مضمون کے بعد "فریب نظر" جو پنڈت زائن پرشاد بیتاب کے ایک ڈرامے کا نام ہے اس پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

ستمبر کے شمارے میں رونق سخن پیارے لال رونق دہلوی کا مجموعہ کلام اور "صبح بہار" میسور ماہانہ اور الشیا ماہانہ امرتسر رسائل پر تبصرے شامل ہیں، ساتھ ہی مولانا راسخ دہلوی اور بابو بالمکند کے انتقال کی خبریں شامل کی گئی ہیں۔

صفحہ ۱۵ پر "آغا شاعر اور جانشینی داغ" کے عنوان سے ضیا گورگانی کا ایک مضمون شامل ہے جس میں ضیا صاحب نے آغا صاحب کو جانشین داغ ماننے سے انکار کیا ہے۔ اس شمارہ میں ہم مضمون چھپا ہوا ایک مضمون "الف ممدودہ" کی بحث کے سلسلے میں ہے۔ رسائل پر تفصیلی روشنی بعد میں ڈالوں گا۔

اکتوبر کے شمارے میں راسخ دہلوی پر مضمون اور راسخ مرحوم کا کچھ غیر مطبوعہ کلام پیش کیا ہے۔ اس شمارے کے دیکھنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نواب محسن الملک کا انتقال ۱۶ اکتوبر کو شملہ میں ہوگیا۔ الف ممدودہ کی بحث اس شمارہ میں بھی شامل ہے۔ اسی ماہ فیاض فاروقی صاحب کا مضمون شامل ہے۔

نومبر سنہ ۱۹ء کے شمارے میں "عقد ثریا" "خواجہ قمرالدین خاں" "سبع سیارہ" "خواجہ قمرالدین خاں انسانی" اور "مخدوم عالم" پر تبصرے شامل ہیں۔ صفحہ ۹ پر ایک معلوماتی مضمون "فرقۂ باطنیہ کے تاریخی حالات" محمد الدین فوق کشمیری کا لکھا ہوا شامل ہے۔ فصیح الملک مرحوم کی جانشینی کے موضوع پر سرور امرت سری نے اس شمارے میں لکھا ہے صفحہ ۲۰ پر حضرت امیر مینائی مرحوم کے تین خط جو حضرت حفیظ جونپوری مرحوم کو لکھے گئے تھے شامل کئے گئے ہیں۔

(باقی)

بقیہ: کیشو سوامی

توں نرگن بربھا کوں تم نہیں جانے توں کاہے بھکانے شاستر کے متی
آپس کوں بسرے آپس جانے دیکھو پنڈت کیسے دیوانے

کیشو سوامی روح کی بالیدگی اور دل کی پاکیزگی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک دل دنیا کی محبت وش اور آلائش سے خالی نہ ہو اس وقت تک اس آئینے پر گرد جمی رہتی ہے اور جب دل جلا پالیتا ہے تو وہ محبوب کے جلووں کا آئینہ دار بن جاتا ہے اور اس میں کائنات کی وسعتیں سمٹ آتی ہیں۔ ؎

من منے گنگا من منے جمنا من منے سدا شیو گرو بتائے
من منے جمنا من منے دوارکا من منے برنداون کھائے

رام داس نے اپنے فلسفے میں جہاں تزکیہ نفس سے بحث کی ہے وہاں انھوں نے شنڈری پولیتی کام، کرودھ لوبھ، موہ، مد اور متسر کے سراب سے دور رہنے کی تاکید کی ہے کیونکہ یہ ایسے روگ ہیں جو آتما کو گھن کی طرح کھا جاتے ہیں اور روح کی عظمت اور تابناکی کو دھندلا دیتے ہیں۔ کیشو سوامی نے بھی رام داس کی طرح شنڈری پوسے بچنے اور ان کے دھوکوں میں نہ آنے کی تلقین کی ہے کیونکہ "سنسار ساگر" پار کرنے کے لئے ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ ؎

کام کرودھ اور متسر چھوڑ کے وسنسار ساگر ترنا ہے
کہیں پاؤں نکل جائے نہ یاں سنبھل کے چلنا ہے

یا ایک اور جگہ وہ کہتے ہیں۔ ؎

بہوت براج یار گھر کون بلاؤ، کام کرودھ کون زہر پلاؤ
تیری سکھی میں سنت کی چیلی بہوت کیا بولوں بانار گھیری

کیشو سوامی کے خیال میں دنیا کے جنجال سے نجات پانے اور ابدی چین حاصل کرنے کا واحد ذریعہ بھگوان کی یاد ہے۔ دل کا سکون اور روح کی راحت اسی میں ہے اور اسی سے "کام بنتا" ہے۔ ؎

میرے حق میں دیا رام میرا مار چلایا کام
لیجئے اُس دھن کا ناؤں کیجے بار بار سلام
دکھلا کر سبت میرے اندر کیا
چت کون یو انعام دیا کیشو کون نہال کیا

کیشو سوامی نے دکنی میں بڑے دل کش، پُر اثر اور خوبصورت بھجن لکھے ہیں۔ بھجن کا عام موضوع عشق حقیقی، ترک دنیا، برائیوں سے دور رہنا اور بھگوان کی محبت میں مٹ جانا ہے یہ موضوعات کیشو سوامی کے بھجنوں میں بڑی شدت اور اثر انگیزی کے ساتھ ملتے ہیں۔ کیشو سوامی کے بھجن مترنم اور دل کش ہوتے ہیں۔ ان میں بڑی بے ساختگی اور روانی موجود ہوتی ہے۔ شنکر رشنا دیو، کیشو سوامی کے مراٹھی بھجنوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ "انتہائی میٹھے، سلیس، سریع الفہم اور بھگتی رس میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔" یہی خصوصیت ان کے دکنی بھجنوں میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ ان کی زبان کافی قدیم ہونے کے باوجود آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ کیشو سوامی کے بھجن ان کے دل کی پکار ہیں اس لئے ان میں بڑی دردمندی، شگفتگی اور دل موہ لینے والی خصوصیت موجود ہے۔ زبان کی سادگی، سلاست اور مٹھاس ملاحظہ ہو :-

کیا کہوں مائی
اب ہری سکھ پائی
سب رہی گت میری ہری ۔ بے چرائی
ہری گن مالا پہنی ہوں نین ہری کے چرن نرنگ رہوں دھو بن میں
نش دن من میں ہری سوں لگائی ہری کے بھجن سوں پران جگائی
ہری سوں بھورہی جگ سوں میں بگڑی، کیشو کے سنگ سب لہری

کیشو سوامی کے بھجنوں میں بڑی بے ساختگی، بے تکلفی اور روانی محسوس ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک دھیما دھیما ترنم ان کے بھجنوں میں ہر جگہ موجود نظر آتا ہے۔ ؎

تالی بجاؤں گاؤں رام کا ناؤں بہو لوگان سوں نہیں میرا کام
گلے میں تلسی من منے شیام تجے دیکھوں تت رام ہی رام
اندر رام باہر رام رام بنا نہیں خالی ٹھام
کیشو کہوں پہ بھو دیکھنا بسرام

کیشو سوامی کے اکثر بھجنوں میں بندرابن دیکھنے اور وہیں رہ بس جانے کی تمنا ملتی ہے۔ شاید جنوبی ہند کے قیام نے دوری کے اس احساس کو اور شدید بنا دیا تھا۔ ؎

ہری رس پیالہ دیوں گی میا
جو مانگے اونے بھر دیوں گی ہور متوالی ہو جاؤں گی میں
مدن گوپال کے گن گاؤں گی کر بن تالی بجاؤں گی میں
بندراون کوں چلی جاؤں گی میں بندراون کو چلی جاؤنگی میں
بن مالی سوں من لگاؤں گی گلے میں مالا باندھوں گی میں
کیشو سائیں کی گت پاؤں گی میں۔ پاؤں گی پھر نہ آؤنگی میں

کیشو سوامی کے دکنی بھجن اپنی شیرینی، سلاست، بے ساختگی روانی اور اثر انگیزی کے اعتبار سے مطالعے کے قابل ہیں۔

پنجاب میں سرکاری کارروائیاں ہندی پنجابی میں

(بحوالہ انڈین ایکسپریس) پنجاب کے زبانوں سے متعلق محکمہ نے پچھلے مالی سال میں ۶۰۰۰ فارم اور قواعد وضوابط اور آئین و قانون کے ۱۳۰۲۱ صفحے ہندی اور پنجابی زبانوں میں منتقل کرنے کا کام مکمل کر لیا ہے۔ سنہ ۱۹۶۲-۶۳ء کی سالانہ کارروائیوں کی محکمانہ رپورٹ میں اس بات کا انکشاف کیا گیا ہے۔

اس سال کی نمایاں کامیابی یہ ہے کہ ضلع اور اس سے نیچے کی سطح پر تمام سرکاری کارروائیوں کو انگریزی اور اُردو سے علاقائی زبانوں میں درج کر لیا گیا ہے۔

ان زبانوں میں سرکاری کارروائیوں کو آسان بنانے کے لئے محکمہ نے "بودھ" اور "پربودھ" نام کے ہندی اور پنجابی دو کتابچے اور محکمانہ اصطلاحات کی ایک انگریزی، ہندی، پنجابی لغت سرکاری افسروں کی رہنمائی کے لئے ضلع وار مفت مہیا کی ہے۔

زبان کے مسئلے کو سوچ بچار اور احتیاط کا مشورہ

ہندی ساہتیہ سمیلن کی پہلی مجلس انتظامیہ کے چیرمین شری پرکاشا نے ہندی کے حامیوں سے درخواست کی کہ زبان کے مسئلے کو احتیاط اور رواداری کے ساتھ حل کیا جائے۔

اُنھوں نے کہا: کہ جب مسٹر سی راج گوپال اچاریہ جیسے ہندی کے بڑے حامی اُس کے دشمن ہو گئے تو اب ہم کو بیٹھ کر ذرا سوچنا چاہیئے۔

ہندی کو زبردستی کے ساتھ عاید کرنے کے خلاف احتجاج کے طور پر چنا سوامی کی خودکشی کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس واقعہ سے موقع کی نزاکت کا احساس کر لینا چاہیئے۔ وقت ہاتھ سے نکل جانے سے پہلے ہم کو کسی صحیح فیصلے پر پہنچ جانا چاہیئے۔

اس کے بعد ایک انٹرویو کے دوران میں شری پرکاشا نے غیر ہندی داں لوگوں سے درخواست کی کہ ہندوستان جیسے بھانت بھانت کی بولیوں والے ملک میں زبان کے مسئلے پر معقولیت کے ساتھ سوچ بچار کرنے کی ضرورت ہے آپ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا، سب سے بڑی ذمہ داری اُن لوگوں پر ہے جن کی مادری زبان ہندی ہے انھیں ہندی کو زیادہ سے زیادہ مالدار بنانا چاہیئے اور جبر و تشدد سے نہیں بلکہ محبت و پیار اور ترغیب و تحریص سے اُسے پھیلانا چاہیئے۔

نام نہاد ہندی   کے نعرے پر اظہار افسوس کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ صورت حال خصوصیت سے اس وقت تکلیف دہ ہو جاتی ہے جب انگریزی جیسی غیر ملکی زبان کو سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ کیا جائے۔ ملک کی موجودہ صورت حال میں انگریزی عوامی زبان کبھی نہیں بن سکتی۔

ہندی کی حمایت کا مطلب انگریزی سے نفرت نہیں

(بحوالہ انڈین ایکسپریس) گگدھ یونیورسٹی گیا کے شعبۂ ہندی کے چیرمین مسٹر وشوا ناتھ پرشاد مصرا نے ہندی ساہتیہ سمیلن ہندی یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "انگریزی ہٹاؤ" کا نعرہ انگریزی زبان سے نفرت کی بنا پر نہیں۔ ہندی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے انگریزی کے قایم مقام بنانے کا مطالبہ صرف ضرورت کی پیداوار ہے۔ ملک میں صرف ایک فی صدی آبادی انگریزی جانتی ہے اور کوئی وجہ جواز نہیں کہ باقی ۹۹ فی صدی آبادی کو نظر انداز کر کے اس کو جاری رکھا جائے۔

ہندی پر انگریزی کے احسانات کو شکر گزاری کے ساتھ تسلیم کرتے ہوئے مسٹر مصرا نے پرزور لفظوں میں کہا کہ ہندی کو سرکاری زبان بنانے کے مطالبے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انگریزی سے (جو ایک غیر ملکی زبان ہے) نفرت کی جائے۔ اُنھوں نے ہندی کے ادیبوں کو مشورہ دیا کہ مقامی زبانوں کے عام طور پر بولے جانے والے لفظوں کو (جن میں اُردو بھی شامل ہے) ہرگز زبان سے خارج نہ کرنا چاہیئے۔

موصوف نے اُردو ادب کے پرتاثیر اور طاقتور طرز تحریر کی تعریف کی اور کہا کہ ہندی ادیبوں کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

نقل استعفیٰ ممبران انجمن ترقی اُردو گیا

بنام صدر گورننگ باڈی مجوزہ گرلس اُردو ہائی اسکول گیا
بتوسط جناب سکریٹری

* * * * * * * * *

مکرمی تسلیم

اطلاعاً عرض ہے کہ چونکہ مجوزہ اُردو گرلس اسکول کی گورننگ باڈی نے مجلس عاملہ انجمن ترقی اُردو (ہند) شاخ گیا کے جلسہ منعقدہ دسمبر ۱۹۶۳ء کی صریحاً خلاف ورزی کی ہے۔ مزید گورننگ باڈی کے چند اراکین کا یہ الزام کہ مرکزی حکومت انجمن ترقی اُردو (ہند) کو فرقہ وارانہ نوعیت دیتی ہے اور وقتاً فوقتاً حکومت کے عتابات اس پر نازل ہوتے رہتے ہیں ہمارے لئے ناقابل برداشت اور شرمناک ہے۔

لہٰذا ہم اراکین مجلس عاملہ بمبران انجمن ترقی اُردو (ہند) شاخ گیا مجوزہ گرلس اسکول کی گورننگ باڈی کی رکنیت سے احتجاجاً استعفےٰ دیتے ہیں فقط والسلام۔ سید مظفر نواب، محمد شاہجہاں ایم۔ ایل۔ اے، ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن کاظمی، خواجہ غیاث الدین، سید احمد سعید قادری۔

(مرسلہ: آفس سکریٹری انجمن ترقی اُردو (ہند) شاخ گیا)

راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی اودے پور

راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی نے اُردو زبان میں ایک سہ ماہی رسالہ بنام "نخلستان" پریم شنکر شریواستو کی ادارت میں نکالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اُردو کے ادیبوں اور فنکاروں سے گزارش ہے کہ مندرجۂ بالا رسالے کے لئے اپنی تازہ ترین تخلیق جلد از جلد ارسال فرمائیں۔ کیونکہ "نخلستان" کو قبل از مارچ جاری کرنا ہے۔

ادارۂ نخلستان ادب ابھی اس اعانت کیلئے کوئی معاوضہ پیش کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے۔ امید ہے کہ علم و ادب کی خاطر ایک معیاری ادبی جریدے کے اجراء میں ادب پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے ضرور تعاون کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں جو بھی تجاویز بھیجی جائیں گی، ادارہ اُن کا خیر مقدم کرے گا۔ (عابد حسین ادیب جوائنٹ اڈیٹر رسالۂ نخلستان اودے پور)

سچر اور ریجنل فارمولوں کی منسوخی کا مطالبہ

۱۰ر جنوری۔ انجمن ترقی اُردو پنجاب کے جنرل سکریٹری شری اوم پرکاش ملک نے مرکزی وزیر داخلہ شری جاضر نویس سے نئی دہلی میں ملاقات کی اور مطالبہ کیا کہ سچر اور ریجنل فارمولوں کو جلد از جلد منسوخ کیا جائے کیونکہ ان فارمولوں کی وجہ سے پنجاب میں ہندی زبان ہندوؤں کی، پنجابی زبان سکھوں کی اور اُردو زبان مسلمانوں کی بن کر رہ گئی ہیں۔

ملک صاحب نے وزیر موصوف سے درخواست کی کہ ہماری سرکار کو جلد ہدایت کی جائے کہ وہ آئندہ اپنے دفاتر میں ہندی اور پنجابی زبان میں لکھی ہوئی درخواستوں کے علاوہ اُردو زبان میں لکھی ہوئی درخواستوں اور دستاویزات کو بھی قبول کرے کیونکہ ۲ر اکتوبر ۱۹۶۲ء کے

ہونے سے پنجاب کے عوام کو ایک عظیم دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ اُردو زبان سے عقیدت اور پیار رکھتے ہیں۔ لیکن سرکاری طور پر ان الگ الگ فارمولوں نے اُردو زبان کو بالکل ہی نیست و نابود کر کے رکھ دیا ہے۔ آپ نے ایک تجویز میں کہا کہ پنجاب سرکار کے محکمہ السنہ کی طرف سے اُردو زبان سیکھنے والوں کے لئے ضلع کی سطح پر اسکول کھولے جائیں اور آئندہ محکمہ مال اور یونین میں ملازمت حاصل کرنے والوں کے لئے مڈل درجہ تک اُردو زبان کی تعلیم کو ضروری قرار دیا جائے کیونکہ آج تک تمام سرکاری کاروبار ان محکموں میں اُردو زبان میں ہی ہو رہا تھا۔

جناب حاضر نویس صاحب نے تمام تجاویز اور مطالبات کو بڑے غور سے سُنا اور ہر ممکن امداد کا یقین دلایا۔

ملک صاحب بہت ہی جلد ان مانگوں کو منوانے کے لئے پنجاب کے گورنر صاحب سے ملاقات کر رہے ہیں۔

جبل پور میں ایم، اے اُردو کا اجراء

مدھیہ پردیش سرکار نے گورنمنٹ مہاکوشل آرٹس مہاودیالیہ جبل پور میں جو ۱۲۸ سالہ پُرانا کالج ہے۔ ایم، اے اُردو کی کلاسیں جولائی سنہ ۱۹۶۲ء سے اجراء کر دی ہیں۔ سال رواں ایم، اے سال اوّل و سال دوم کے طلبہ ایم، اے کے امتحان میں شرکت فرمائیں گے۔ سرکار عالی نے شعبۂ اُردو میں ایک مزید لیکچرر کا سال میں تقرر فرمایا ہے۔ عالی جناب پرنسپل کالج اگروال صاحب ایم، اے اُردو کی کلاسوں کی ہر طرح سے معاونت فرماتے ہیں۔ عالی جناب حمید کوثی صاحب، عالی جناب رحمٰن صاحب و دیگر انجمن کے ٹرسٹی اصحاب اس منصوبے کو کامیاب کرنے میں دلی تعاون فرما رہے ہیں۔ اُردو کو تقویت پہنچانے کی خاطر بزم ہائے اُردو و فارسی جبل پور یونیورسٹی و کالج کے مشترکہ زیر اہتمام مشاعرے منعقد ہوتے ہیں جن میں مقامی اور بیرونی شعراء شرکت کرتے ہیں۔ طلبہ کو چاہئے کہ مزید تعداد میں داخلہ لے کر اس منصوبے کو کامیاب کریں۔ (سعید انصاری سکریٹری)

لسانی اقلیتوں کے اسسٹنٹ کمشنر کی آمد بہار

ریاستی انجمن ترقی اُردو کے وفد سے ملاقات

پٹنہ ۲۱ر جنوری۔ آج ساڑھے دس بجے دن میں انجمن ترقی اُردو بہار کا ایک نمائندہ وفد پٹنہ سکریٹریٹ کے کانفرنس روم میں اسسٹنٹ کمشنر سے ملا۔ ریاست بہار کے اُردو داں طبقے کی جائز اور قانونی شکایات کی ایک لمبی فہرست پیش کر کے ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں اُردو اقلیت کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں ان کی طرف اسسٹنٹ کمشنر صاحب کا دھیان مبذول کرایا گیا۔ ریاست کے بعض اسکولوں میں جہاں اردو تعلیم کا انتظام نہیں کیا جاتا ہے اور اُردو طلبہ کو کسی نہ کسی بہانے سے داخلے سے باز رکھا جاتا ہے اس کے متعلق اسسٹنٹ کمشنر صاحب نے بہار سرکار کے محکمہ تعلیم کے نمائندے اور ڈپٹی پولیٹیکل سکریٹری کو متنبہ کیا اس کے علاوہ رانچی بھاگلپور اور مگدھ یونیورسٹیوں میں اُردو میں Post graduate تعلیم شروع کرنے کے لئے اسنہ جاتی۔ اُردو کتابوں کی کمیابی کو دور کرنے کے لئے اور اُردو اساتذہ کی ٹریننگ کے لئے معقول انتظام کرنے کی مانگ کی گئی۔ مسٹر یادھو سنگھ ڈپٹی سکریٹری پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ نے حکومت بہار کی جانب سے وفد کو یقین دلایا کہ ان کی جائز مانگوں پر دھیان دیا جائے گا اور جلد ہی سہ زبانی فارمولا ریاست میں لاگو کر دیا جائے گا۔ تقریباً دو گھنٹے تک بات چیت ہوتی رہی وفد نے ایک طویل مختصر نامہ پیش کیا۔

جناب محمد ایوب ایڈوکیٹ صدر بہار ریاستی انجمن ترقی اُردو

کی سرکردگی میں (جناب سید مظہر امام سابق ایم۔پی۔ جناب شاہ مشتاق احمد ایم۔ایل۔سی۔ غلام سرور ایڈیٹر سنگم۔ جناب صدیقی جنرل سکریٹری۔ نثار احمد خاں ایڈووکیٹ اور نسیم احمد صاحب ایڈووکیٹ وفد کے ارکان تھے۔

ٹاؤن ہال بنارس میں بہادر شاہ ظفر کی تصویر

بنارس کارپوریشن نے مقامی ٹاؤن ہال میں مغل حکومت کے آخری تاجدار اور جنگ آزادی کے پہلے جانباز سپاہی بہادر شاہ ظفر کی ایک قد آدم تصویر لگایا جانا منظور کیا ہے۔

"بزم ادب کوٹہ کا سالانہ انتخابی جلسہ"

۱۳ر جنوری ۶۴ء کو زیر صدارت جناب من بہاری صاحب گپتا بزم ادب کوٹہ کا سالانہ انتخابی جلسہ منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل عہدے داران منتخب ہوئے:۔

سرپرست (جناب محمد حسین صاحب ایڈووکیٹ۔ صدر جناب پرکاش چندچاند مظفر نگری۔ نائب صدر (جناب مفتوں کوٹوی۔ جنرل سکریٹری شاد کوٹوی نائب سکریٹری نصیب کوٹوی۔ خازن محمد بخش ڈٹرم۔ آڈیٹر ستارام زیبا۔ اناؤنسر لطفی کوٹوی۔ پروپیگنڈا سکریٹری اعظم کوٹوی۔



بقیہ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تنقید پر سیمینار

جس کے ردِ عمل کے طور پر ایک نئی مشرقیت بیدار ہوئی اور نئی مشرقیت نے ایک طرف ماضی کے خزانے کو کھنگالا - دوسری طرف ایک رومانی اور تاثراتی لہر پیدا کی پھر ترقی پسند تحریک عالمی اثرات کی وجہ سے وجود میں آئی جس نے ادب کے سماجی پہلو پر بہت زور دیا - اس کا ردِ عمل نفسیاتی اور جمالیاتی میلانوں میں ہوا - آج ہمیں ایک جامع جمالیاتی نقطۂ نظر کی ضرورت ہے جو سماجی اور اخلاقی قدروں کو سمولے -

پروفیسر آل احمد سرور کے مقالے کے بعد پروفیسر ہربنس لال شرما نے اپنے طویل مقالے "ہندی تنقید کے بنیادی افکار" کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے تقریر کی اور ہندی تنقید کا جائزہ لیا اور اس کے نئے رجحانات کا بھی ذکر کیا -

اس نشست کا تیسرا مقالہ جناب سلامت اللہ خاں کا تھا "انگریزی کی نئی تنقید" جس میں انھوں نے اس خیال کو ظاہر کیا کہ انگریزی کی نئی تنقید اس جدید تنقید سے مختلف ہے جو پرانی تنقید کی اقدار کو اپنے اندر سموئے ہوئے اسے آگے بڑھا رہی ہے -

اس نشست کا آخری مقالہ جناب مجنوں گورکھپوری کا تھا "نظم سے نثر تک" انھوں نے نظم کے ارتقا کا جائزہ لیا اور کہا کہ نظم نثر کی ماں ہے اور اس کی ساری خصوصیات نثر نے لی ہیں اور نثر روز بروز نظم کے دائرۂ عمل کو کم کرتی جا رہی ہے -

مجنوں صاحب نے نظم کو شاعری کے معنوں میں نہیں بلکہ کلام موزوں کے معنوں میں استعمال کیا -

سیمینار کی دوسری نشست اسی دن تین بجے ہوئی جس کی صدارت ہمارے ملک کے ممتاز مورخ ڈاکٹر تارا چند نے فرمائی - اس نشست میں چار مقالے پڑھے گئے -

پروفیسر سوریہ کانت نے اپنے مقالے میں "سنسکرت تنقید کے بنیادی افکار" کا جائزہ لیا اور اس میں سترھویں صدی تک کے تنقیدی اصولوں سے بحث کی اور بعد میں انھوں نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ سترھویں صدی کے بعد چونکہ سنسکرت ادب میں کوئی ارتقا نہیں ہوا اس لئے سنسکرت تنقید میں بھی کسی ارتقا کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا -

پروفیسر ضیا احمد بدایونی کے مقالے "فارسی تنقید کے بنیادی افکار" نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ قدیم فارسی ادب میں اس تنقید کا کوئی وجود نہیں ہے جسے ہم آج تنقید کہتے ہیں - فارسی تنقید شاعری کے متعلق چند نکتوں اور عروض و قواعد کے مطالعے تک محدود ہے -

ڈاکٹر روندر بھرمر نے "جدید ہندی تنقید پر" اپنا مقالہ پڑھا اور اس بات پر زور دیا کہ آزادی کے بعد کے نئے حالات میں ہندی میں جو نیا ادب پیدا ہوا ہے اسے پرکھنے کے لئے ہندی تنقید اب تک کوئی پیمانہ نہیں بنا سکی - چنانچہ اس کا جدید ہندی ادب کا مطالعہ نامکمل اور غیر تسکین بخش ہے -

اس نشست کا آخری مقالہ الہ آباد یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر محمد عقیل نے "تاریخی سماجی تنقید اور انفرادیت" پڑھا فاضل مقالہ نگار نے اس بات پر زور دیا کہ چونکہ شخصیتوں کی تکمیل یا تعمیر کسی خاص عہد اور کسی مخصوص سماج میں ہوتی ہے اس لئے تخلیقات کا جائزہ لینے کے لئے اس عہد اور اس سماج سے واقف ہونا ضروری ہے -

آخر میں ڈاکٹر تارا چند نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ مختلف زبانوں کے فکری رجحانات اور قدروں کا مطالعہ کرنا اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ اس میں ہمیں مشترکہ معیاروں کا پتہ بھی چلتا ہے جس سے ہماری زبانوں کا ادب متاثر ہو سکتا ہے -

ڈاکٹر تارا چند نے ادب کے مطالعے کے لئے تاریخی شعور پر بھی زور دیا - (باقی)

گیا میں یوم آزاد کی تیاریاں

۲۲ر فروری ۱۹۶۴ء کو ہفتہ وار اخبار مورچہ کے زیر اہتمام "یوم آزاد" منایا جا رہا ہے اس کے سرپرست شری ستیندر نرائن سنہا وزیر تعلیمات بہار اور چیرمین کے - کے - دتا وائس چانسلر مگدھ یونیورسٹی ہیں -

اس موقع پر ایک سمپوزیم بھی ترتیب دیا جائے گا جس میں شرکت کے لئے ملک کے ممتاز اہل قلم اور صاحب علم ادیبوں نے وعدہ کر لیا ہے -

توقع ہے کہ یوم آزاد کے جلسے کی صدارت پروفیسر ہمایوں کبیر وزیر حکومت ہند فرمائیں گے، اور اس کا افتتاح مسٹر محمد علی کریم چھاگلا مرکزی وزیر تعلیم فرمائیں گے -

جلسے کی تمام کارروائیاں ٹیپ ریکارڈ کی جائیں گی

پروگرام کا اعلان تاریخ انعقاد سے ایک ہفتہ قبل کر دیا جائے گا -

(سکریٹری مجلس استقبالیہ)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو علی گڑھ سے شائع کیا